۱۸

اللہ تعالیٰ کی محبت تمام کامیابیوں کی کلید ہے

(فرمودہ ۱۶ - جون ۱۹۳۳ء)

تشہّد' تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسے طور پر بنایا ہے کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ مقام جسے پُل صراط کہتے ہیں اور جس کا نام حدیثوں میں جسرِ صراط آیا ہے- اور جس کے متعلق آتا ہے کہ وہ تلوار کی دھار سے بھی زیادہ باریک اور تیز ہے[1]' درحقیقت اسی دنیا میں انسان اس مقام پر کھڑا کیا گیا ہے- ایک چھوٹی سے حرکت' ایک ذرا سی لغزش' ایک معمولی سی کمزوری' ایک خفیف سا ضعف اُسے کہیں کا کہیں لے جاتا ہے- رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں ایک انسان بظاہر نیک معلوم ہوتا ہے- وہ جنتیوں کے سے عقیدے رکھتا اور جنتیوں کے سے کام کرتا ہے- وہ اپنے اعمال کے زور اور طاقت سے جنت کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ جنت کے دروازہ پر جا پہنچتا ہے- تب خدا کی قدرت اُسے اُٹھاتی اور وہاں سے دور پھینک دیتی ہے یہاں تک کہ وہ دوزخ میں جاگرتا ہے-

پھر فرمایا اس کے مقابل میں ایک اور انسان بداعمالی میں مبتلا ہوتا ہے- وہ بداعمالیاں کرتا ہے اور ہر لحہ دوزخ کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے- ہر قدم جو وہ اُٹھاتا ہے اسے دوزخ کے نزدیک کردیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے دروازہ پر جاپہنچتا ہے- اس کے اور دوزخ کے درمیان کوئی روک حائل نہیں رہتی مگر اچانک خدا کی حکمت اسے وہاں سے دور پھینک دیتی ہے اور وہ اپنے آپ کو جنت میں پاتا ہے[2] - اس کے یہ معنی نہیں کہ خداتعالیٰ ظالم بادشاہ

کی طرح جسے چاہتا ہے دوزخ میں ڈال دیتا ہے- اور جسے چاہتا ہے جنت میں ڈال دیتا ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان جب تک کہ اس کا آخری سانس جاری ہے' ایسے خطرات میں مبتلا ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اسے کہیں کا کہیں پھینک دیتی ہے- یہی بات رسول کریم ﷺ نے بتائی اور سمجھایا کہ انسانی اعمال اور اس کا قلب ایسے خطرات میں گھرا ہوا ہے- اور اس قسم کی مشکلات اس کے سامنے ہیں کہ بعض دفعہ ذرا سی بے احتیاطی سے وہ اپنی تمام عمر کی کارروائیوں کو باطل کردیتاہے- پس اگر یہ زندگی جس کی مثال رسول کریم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی کہ ایک انسان دوزخ کے کنارے کھڑا ہوتا ہے مگر جنت میں چلا جاتاہے اور دوسرا جنت کے کنارے کھڑا ہوتا ہے مگر دوزخ میں چلا جاتاہے- جسرِ صراط نہیں تو اور کون سی چیز جسرِ صراط کہلانے کی مستحق ہے- یہی وہ چیز ہے جو تلوار سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز دھار رکھتی ہے- لوگ سمجھتے ہیں یہ بڑی وسیع زندگی ہے- لوگ خیال کرتے ہیں اس کے دائرے بڑے وسیع ہیں حالانکہ حقیقت میں ایک ایک قدم میں جو انسان اٹھاتا ہے ہزاروں خطرات پنہاں ہوتے ہیں- اسی طرح ایک ایک حرکت کے نیچے ہزاروں برکتیں بھی مخفی ہوتی ہیں- کتنا عظیم الشان فرق ہے جو ہم انسانی زندگی میں دیکھتے ہیں-

رسول کریم ﷺ ایک شخص سے کو وحی لکھاتے ہیں' وہ آپ کا مقرب سمجھا جاتا ہے- بالکل ممکن ہے کہ اُس وقت بہت سے صحابہؓ اِس وجہ سے اس پر رشک کرتے ہوں کہ اسے رسول کریم ﷺ کے قریب بیٹھنے کا موقع ملتا ہے اور اُسے تازہ وحی سننے اور لکھنے کا شرف حاصل ہوتاہے- مگر ایک دن قرآن مجید لکھتے لکھتے جبکہ رسول کریم ﷺ اسے تازہ وحی لکھارہے تھے' یکدم اُس کی زبان پر وہی وحی جاری ہوجاتی ہے جو رسول کریم ﷺ اسے لکھانا چاہتے ہیں- قرآن مجید کی عبارت کا زور اُس کی فصاحت اس کی طبعی ترکیب ایک حد تک پہنچ کر بےاختیار اس کی زبان پر یہ وحی جاری کردیتی ہے- فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ؎ - اور رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں- ہاں لکھو- یہی وحی ہے- تو وہ بجائے اس کے کہ سجدے میں گر جاتااور کہتا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کتنا فضل نازل کیا کہ اس کے کلام کا میرے دل پر بھی پَرتَو پڑگیا- وہ خیال کرتا ہے کہ یہ قرآن انسانی کلام ہے' خدا کانہیں- میں نے ایک فقرہ کہا' وہی جب پسند آگیا تو اسے قرآن مجید میں لکھوادیا- اس خیال کے ماتحت وہ مرتد

ہوجاتا ہے۵؎ - وہ جنت کے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا' صرف اس میں داخل ہونے کی دیر تھی مگر مرتد ہوجاتا ہے- اور مرتد بھی کتنا خطرناک- بعض انسان کمزوریٔ اعمال کی بناء پر مرتد ہوتے ہیں اور بعض اس لئے مرتد ہوتے ہیں کہ ان کا خیال ہوتا ہے جو قدر ان کی کی جانی چاہیئے تھی' وہ نہیں ہوئی- مگر وہ اس لئے مرتد ہوتا ہے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ رسول کریم ﷺ دھوکے باز ہیں اور اپنے پاس سے وحی بناتے ہیں- گویا ٹھوکر بھی لگی تو انتہائی- کئی ٹھوکریں ایسی ہوتی ہیں جو درمیانی درجوں پر لگتی ہیں- مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ڈاکٹرعبدالحکیم کو ٹھوکر لگی- مگر وہ مرتد ہوکر جہاں یہ کہتا تھا کہ مرزا صاحب (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) بڑے دھوکے باز ہیں' فریبی اور مکّار ہیں- وہاں یہ بھی کہا کرتا تھا کہ آپ کا اللہ تعالیٰ سے تعلق بھی ہے گویا وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مفتری قرار نہیں دیتا تھا- مگر یہ شخص معمولی سی بات پر یکدم یہ نتیجہ نکال لیتا ہے کہ نَعُوْذُبِاللّٰہِ رسول کریم ﷺ اپنے پاس سے باتیں بنالیتے ہیں- اس کے مقابل میں ہم ایک اور شخص کو دیکھتے ہیں- رسول کریم ﷺ منبر پر کھڑے ہوکر نعمائے جنت کا ذکر فرماتے ہیں- اور اس ذکر میں خداتعالیٰ جو آپ پر فضل نازل کرنے والا تھا' ان کو بھی بیان کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جنت میں انبیاء پر کیا کیا احسان کرے گا- وہ شخص بے تاب ہوکر کھڑا ہوجاتا ہے- اس کے کوئی خاص اعمال نہیں' کوئی نمایاں قربانیاں نہیں' مگر وہ کہتا ہے کہ یارسول اللہ! دعا کیجئے میں بھی ان نعمتوں میں شریک ہوجاؤں- کتنا چھوٹا سا یہ عمل ہے کہ ایک وقتی خواہش سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں- اور یہ ایسی خواہش ہے جو نعمائے جنت کا ذکر سن کر ہر شخص کے دل میں پیدا ہوسکتی ہے اور ہر شخص کو لالچ آجاتا ہے- مگر خداتعالیٰ کو اس کا یہ بے ساختہ پن پسند آجاتا ہے اور جب وہ کھڑا ہوکر کہتا ہے یارسول اللہ! دعا کیجئے میں بھی ان نعمتوں میں شریک ہوجاؤں تو رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں ہاں تم بھی ان میں شریک ہوگے- تب اور لوگ کھڑے ہوتے ہیں اور کہنا شروع کرتے ہیں یارسول اللہ! دعا کیجئے ہم بھی شریک ہوجائیں- مگر آپ فرماتے ہیں پہلے کہنے والے کو یہ حق مل چکا' نقل کرنے والوں کیلئے اب موقع نہیں۶؎ - ان بعد میں بولنے والوں میں سے کئی وہ لوگ ہوں گے' جنہوں نے بڑی بڑی قربانیاں کی ہوں گی اور پہلے شخص سے زیادہ کی ہوں گی مگر اس شخص کی بے ساختگی خداتعالیٰ کو پسند آگئی- وہ عمل جس میں اسے کوئی قربانی کرنی نہیں پڑی' جس میں اسے کوئی تکلیف اُٹھانی نہیں پڑی' جس میں اسے کسی جہاد

سے واسطہ نہیں پڑا' اللہ تعالیٰ کو پیارا معلوم ہوا اور اسے ان نعمتوں کا وارث قرار دے دیا- جو رسول کریم ﷺ بیان فرمارہے تھے-

اسی طرح حدیثوں میں آتا ہے ایک شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگا- اس کے عیب بیان کئے جائیں گے- اس کے گناہ بہت زیادہ ہوں گے- وہ اپنے گناہوں کو دیکھ کر سمجھے گا کہ اب میرے لئے کوئی نجات کا ذریعہ نہیں- اللہ تعالیٰ اس کے چھوٹے سے چھوٹے گناہ بھی اس کے سامنے پیش کرے گا- ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور جس طرح مجرم کو خاموش کرایا جاتا ہے- اسی طرح گناہوں کی ایک لمبی فہرست اس کے سامنے پیش کی جائے گی- اور وہ یہی کہتا رہے گا کہ ہاں میرے ایسے ہی اعمال ہیں- سوائے خدا کے فضل کے مجھے کوئی چیز نہیں بچاسکتی- اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ ادا پسند آجائے گی- وہ فرشتوں سے کہے گا- جاؤ میں نے اِس کے جتنے گناہ گنوائے' ان کے بدلہ میں اِس کی نیکیاں لکھی جائیں اور اسے جنت میں داخل کردیا جائے- تب وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے دلیر ہوکر کہے گا- میرے اور بھی گناہ ہیں- انہیں بھی شمار کیا جائے رسول کریم ﷺ اتنا بیان فرما کر ہنسے اور فرمایا- اللہ تعالیٰ بھی اس بندے کی اس بات پر ہنسا- اور کہا میرے بندے کو دیکھو- میری مغفرت کو دیکھ کر کتنا دلیر ہوگیا اب اپنے گناہ خود گِنا رہا ہے؎ - غرض یہ بھی ایک ادا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند آگئی- مگر ان ساری باتوں پر اگر غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ ایک ہی چیز ہے جو ان سب میں مشترک ہے- اور وہ اس عظیم الشان ہستی پر جو ہماری خالق و مالک ہے اعتماد اور اس سے سچی محبت ہے- اس میں شُبہ نہیں بظاہر یہ اعمال چھوٹے نظر آتے ہیں مگر ان کی تہہ میں ایک اعتماد ہے اپنے رب پر اور محبت ہے اپنے خدا سے- اگر ایک طرف ایسے شخص کے گناہ بہت زیادہ ہیں تو دوسری طرف خدا سے اس کا کوئی گہرا لگاؤ بھی معلوم ہوتا ہے- یہ محبت اور لگاؤ ہی ہے جو انسان کو کھینچ کر کہیں کا کہیں لے جاتا ہے- جب کسی بندے کے دل میں خداتعالیٰ کی محبت پیدا ہوجاتی ہے' تو پھر اس محبت کی چھوٹی سے چھوٹی چنگاری بھی اس کے دل میں ہو تو وہ دوزخ کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے بہت کافی ہوتی ہے- کیونکہ جس شخص کے دل میں محبتِ الٰہی کی آگ ہے' وہ دوزخ کی آگ میں نہیں ڈالا جاسکتا- اگر ممکن ہوتا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی چنگاری دل میں رکھنے والا دوزخ میں چلا جاتا تو یقیناً دوزخ بھی اس کیلئے جنت ہوجاتی اور یقیناً جہنم کی آگ اس کیلئے سرد کی جاتی- یہی وجہ ہے دیکھو حضرت ابراہیم

علیہ السلام کو جب لوگوں نے آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا- یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ[8] اے آگ تیرے اندر ایک اور آگ داخل ہورہی ہے- اب تیرا کام یہ ہے- کہ اس آگ کے مقابل میں سرد ہوجا- ابراہیم کے دل میں میری محبت کی آگ بھڑک رہی ہے- اور میرے عشق کی آگ کا کوئی آگ مقابلہ نہیں کرسکتی- جس طرح سورج کے مقابل پر شمعیں ماند پڑجاتیں ہیں' اسی طرح میری محبت کی آگ کے مقابلہ میں تیری آگ کوئی حیثیت نہیں رکھتی' پس ابراہیم کیلئے تُو سرد ہوجا- جس طرح انگارا کے مقابلہ میں کسی اور گرم چیز کی گرمی کم محسوس ہوتی ہے- اسی طرح اللہ تعالیٰ کی آگ ایسی شدید ہے کہ دوسری تمام آگیں اس کے مقابلہ میں سرد پڑجاتی ہیں- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی الہام ہے آگ سے ہمیں مت ڈرا آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے[9] - اس کا بھی یہی مفہوم ہے کہ ہمارے دل میں تو عشقِ الٰہی کی آگ شعلہ زن ہے- اس آگ کے مقابلہ میں ظاہری آگ کی کیا حیثیت ہے- ایک گرم توا انسان کے ہاتھ کو تو جلادیتا ہے مگر انگارے کو نہیں جلاسکتا- اسی طرح آگ اس شخص کو نہیں جلاسکتی جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ بھڑک رہی ہو-

مَیں جب چھوٹا تھا تو اُس وقت میں نے ایک رؤیا دیکھا- حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر مقدمہ دائر تھا- اور آپ کی عادت تھی کہ مشکلات میں دوسروں کو بھی دعا کرنے کیلئے ارشاد فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ گھر کے بچوں کو بھی دعا کیلئے کہتے- اس مقدمہ کے دوران میں بھی سب کو دعا کیلئے فرمایا- اور مجھے بھی کہا- مارٹن کلارک والا مقدمہ تھا- اُس وقت میری عمر نَودس سال کے قریب ہوگی- مَیں نے دعا کی اور پھر میں نے ایک رؤیا دیکھا جو اُس زمانہ کے لحاظ سے نہایت عجیب تھا- میں نے دیکھا کہ میں گھر میں داخل ہونے لگا ہوں اور وہ گلی جو ہماری ڈیوڑھی کی طرف جاتی ہے اور پھر میرے بڑے بھائی مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کے گھر کی طرف چلی جاتی ہے' اُس میں داخل ہوا ہوں- راستے میں مَیں نے دیکھا کہ پولیس والے کھڑے ہیں- اُس زمانہ میں ہمارے گھر میں ایک تہہ خانہ ہوتا تھا جسے اب بند کردیا گیا ہے- اُس کی سیڑھیوں میں جو ٹوٹ جانے کی وجہ سے ناقابلِ استعمال تھیں اُپلے اور ٹوٹا پھوٹا سامان پڑا رہتا تھا- میں جب اندر داخل ہونے لگا- تو پہلے توپولیس والوں نے روکا مگر مَیں داخل ہوگیا- اندر جاکر میں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کھڑے ہیں- اور آپ کے

اردگرد اُپلے وغیرہ لوگوں نے رکھے ہوئے ہیں۔ جس سے میں یہ سمجھا کہ گویا لوگ آپ کو جلانا چاہتے ہیں۔ میں گھبرا کر اس میں روک بننا چاہتا ہوں مگر لوگ مجھے آگے آنے نہیں دیتے۔ اتنے میں مَیں دیکھتا ہوں کہ انہوں نے جلدی جلدی دیا سلائی جلانی شروع کی اور کوشش کی کہ آگ لگادیں مگر آگ لگی نہیں۔ میں اسی گھبراہٹ میں ہوں کہ میری نظر دروازے کے اوپر کے حصہ پر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ وہاں موٹے حروف میں لکھا ہوا ہے۔ "ہمارے پیارے بندوں کو کوئی نہیں جلاسکتا"۔ غرض اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ جب کسی کے دل میں ہو تو کوئی آگ اسے نہیں جلاسکتی۔ ممکن ہے کہ کبھی بشری کمزوریوں کی وجہ سے، کبھی صحت کی خرابی کی وجہ سے، کبھی بدصحبت اور کبھی تعلیمی غلطیوں کی وجہ سے وہ گناہوں میں مبتلا ہوجائے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ اس کے دل میں ہوگی تو وہ اسے ان تمام گناہوں سے ایک نہ ایک دن نکال کر لے آئے گی بشرطیکہ حقیقی محبت ہو، بناوٹی اور سطحی نہ ہو۔ دل میں ایک سوز ہو، ایسا سوز جو ہر روز اور ہر دن اس کے دل میں زیادہ سے زیادہ جلن پیدا کرتا رہے۔ یہی وہ سوز ہے جس کے پیدا کرنے کیلئے انبیاء علیہم السلام آئے۔ اِسی سوز کے پیدا کرنے کیلئے دین آئے۔ یہی وہ سوز ہے جس کیلئے روزے رکھے جاتے ہیں۔ نمازیں پڑھی جاتیں اور حج کیا جاتا ہے۔ حج کیا ہے؟ ماں کی محبت کا ایک نظارہ ہے جس کی یاد تازہ کرائی جاتی ہے۔ صفا اور مَروہ پر بڑے بڑے مہذب آدمی جو بیٹھنے سے اُٹھنے پر ہی کئی منٹ لگادیتے ہیں جو وقار سے چلتے اور تیز چلنے والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیسے چھچھورے ہیں۔ ایسے مہذب لوگ بھی ایک بے سِلا کپڑا کفن کی طرح لپیٹ لیتے اور صفا سے مَروہ اور مَروہ سے صفا تک دوڑے چلے جاتے ہیں۔ وہاں بازار لگا ہوا ہوتا ہے۔ اونٹ، گدھے اور گھوڑے گزر رہے ہوتے ہیں مگر وہ معزز جو اپنے وقار کے ماتحت لوگوں کو اس وجہ سے حقارت سے دیکھتے ہیں کہ وہ کیوں جلدی جلدی چلتے ہیں اس جگہ جب دو ستونوں کے پاس پہنچتے ہیں تو دوڑ پڑتے ہیں۔ محض اس لئے کہ حضرت ہاجرہ حضرت اسماعیل کو دیکھنے کیلئے وہاں دوڑی تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ کا لایا ہوا پانی ختم ہوگیا۔ جب حضرت اسماعیل پیاس کے مارے تڑپنے لگے۔ جب ماں سے ان کی یہ تکلیف دیکھی نہ گئی تو گھبرا کر حضرت ہاجرہ قریب کی پہاڑی صفا پر اس خیال سے چڑھ گئیں کہ ممکن ہے انہیں پانی کا کوئی سراغ مل جائے یا کوئی قافلہ دکھائی دے جس سے وہ پانی لے سکیں۔ مگر جب کہیں پانی کا پتہ نہ چلا تو وہ اُتریں اور پاس ہی پچاس گز کے قریب ایک اور ٹیلہ تھا،

اُس پر چڑھ گئیں- یہی وہ ٹیلہ ہے جسے مَروہ کہا جاتا ہے- انہیں وہاں سے بھی پانی کا کوئی نشان دکھائی نہ دیا- جب وہ صفا اور مَروہ کے اوپر ہوتیں تو وہاں سے انہیں حضرت اسماعیل نظر آجاتے- لیکن جب نیچے اُترتیں تو وہ نظروں سے پوشیدہ ہوجاتے' اس لئے بے تابانہ طور پر وہ دوڑتی تھیں- حج کے موقع پر صفا و مَروہ پر دوڑنا اسی چیز کی یادگار ہے کہ ایک ماں اپنے بچہ کو آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی تھی- اس یاد کو تازہ رکھنے کیلئے آج بادشاہ اور غریب بڑے اور چھوٹے صاحبِ وقار اور غیرذی وقار سب کو وہاں دوڑنا پڑتا ہے- خواہ ان کا دل دوڑنے کو چاہے یا نہ- میں نے دیکھا ہے لوگوں کے دوڑنے پر بعض لوگ ہنستے بھی ہیں مخول بھی کرتے ہیں- بعض بدو دوڑنے والوں کے درمیان سے اپنے گدھوں کو ہانک دیتے ہیں تاکہ وہ ان کی دوڑ میں روک بن جائیں مگر لوگ دیوانہ وار دوڑتے چلے جاتے ہیں- اس لئے نہیں کہ آج وہاں کوئی زندہ نشان ہے بلکہ اس لئے کہ آج سے ہزارہا سال پہلے حضرت ہاجرہ وہاں اس لئے دوڑی تھیں کہ ان کا بچہ ان کی نظر سے اوجھل نہ ہو- وہ ماں کی محبت کا بہترین مظاہرہ تھا- آج جو اللہ تعالیٰ ہم سے یہ کام کراتا ہے تو آخر کیوں کراتا ہے- ہزاروں مائیں دنیا میں آج بھی ایسی ہیں کہ اگر انہیں اپنے بچوں کیلئے جان قربان کرنی پڑے تو کردیں-

غرض جوکچھ حضرت ہاجرہ نے کیا'اس سے زیادہ کرنے والی مائیں دنیا میں آج بھی مل سکتی ہیں- مگر کیوں اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ کے واقعہ کو تازہ رکھااور کیوں باقی ماؤں کے واقعات کو کوئی وقعت نہیں دی جاتی- اس لئے کہ باقی مائیں اس لئے بچوں کیلئے قربانی کرتی ہیں کہ اتفاق ان کو مصیبتوں میں ڈال دیتاہے- مگرحضرت ہاجرہ نے اپنی مرضی سے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطراپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا- جب حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیم نے وادی غیرذی زرع میں چھوڑا تو اُس وقت انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا' اے ابراہیم! ہمیں کہاں چھوڑے جاتے ہو- یہاں تو پینے کیلئے پانی نہیں' کھانے کیلئے غذا نہیں- کوئی آدمی نہیں جس سے امداد لی جاسکے- حضرت ابراہیم علیہ السلام رقّت کی وجہ سے اس کا کوئی جواب نہ دے سکے- اور جب باربار پوچھنے کے باوجود وہ خاموش رہے تو حضرت ہاجرہ نے پوچھا کیا خدا کے حکم کے ماتحت ہمیں یہاں چھوڑے جاتے ہو- انہوں نے کہا ہاں- یہ سن کر حضرت ہاجرہ معاً لوٹیں- اور انہوں نے کہااگر یہ بات ہے تو پھر خدا ہمیں ضائع نہیں کرے گا[۵] - یہ کہا اور بغیر اس خواہش کے کہ یہ معلوم کریں' حضرت ابراہیم علیہ السلام کس رستہ سے واپس جارہے

ہیں، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھوڑ کر واپس آجاتی ہیں- اور اِس یقین و توکل کے ساتھ واپس آتی ہیں کہ اگر خدا نے ہمیں اِس جگہ رہنے کیلئے بھیجا ہے تو وہ خود ہمارے لئے کھانے پینے کا انتظام کرے گا- غرض حضرت ہاجرہ اور دوسری ماؤں میں یہ فرق ہے کہ دوسری مائیں مجبوری یا حالات کی وجہ سے مشکلات میں پڑتی ہیں- اور حضرت ہاجرہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اس پر توکّل اور یقین رکھتے ہوئے اس مصیبت میں پڑنا قبول کیا- اللہ تعالیٰ کی غیرت کیونکر برداشت کرسکتی تھی کہ حضرت ہاجرہ نے جب ایک عورت اور جوان عورت ہو کر جس کی اُمنگیں اُسے دوسری طرف لے جاسکتی ہیں، اللہ تعالیٰ پر یقین رکھا اور اسے وفادار سمجھا تو وہ اس سے بڑھ کر اس کیلئے وفا نہ دکھلائے- اللہ تعالیٰ نے جواباً کہا- ہاجرہ نے اپنے بچے کو میرے لئے قربان کیا، اب میں اس کی اولاد کو کبھی قربان نہ ہونے دوں گا- اس نے میری محبت کی خاطر اپنی محبت کو قربان کردیا، اب میں بھی اِس کی محبت کو ہمیشہ قائم رکھوں گا- کوئی بادشاہ ہو یا گدا، امیر ہو یا غریب، چھوٹا ہو یا بڑا، ہر ایک جو خدا پر ایمان رکھنے والا ہے آئے گا اور ہاجرہ کے کام کی نقل کرے گا- تا میں دنیا کو بتاؤں کہ اگر ہاجرہ دو ستونوں کے درمیان اپنے بچے کو اپنی نظروں سے اوجھل نہیں کرسکتی تو کیا میں اپنے پیارے بندوں کو اپنی نظروں سے اوجھل ہونے دیتا ہوں-

پس صفا اور مَروہ پر دو ستونوں کے درمیان دوڑنا ہمیشہ یہ امر یاد دلاتا ہے کہ جب سچی محبت دل میں ہوتی ہے تو کوئی شخص اپنے محبوب کو نظروں سے غائب ہونے نہیں دیتا- اس کیلئے اور مثالیں بھی چُنی جا سکتی تھیں مگر خدا تعالیٰ نے اسی کی مثال چُنی جس نے خدا کیلئے اپنے آپ کو قربان کر دیا- جب حضرت ہاجرہ کی یاد میں صفا اور مَروہ پر حاجی دوڑتے ہیں اور یہ اقرار کرتے ہیں کہ ایک ماں کی مامتا اپنے بچے کو پوشیدہ ہونے نہیں دیتی، تب رسول کریم ﷺ کی یہ بات بھی یاد آجاتی ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر ایک مشرکہ عورت کا بچہ کھویا گیا- وہ دیوانہ وار جبکہ تلواریں چل رہی تھیں، مسلمان فاتح ہو چکے تھے اور کفار کی جان خطرہ میں تھی، اپنے بچے کو تلاش کرنے لگی- اُس وقت اُس کی اپنی جان بھی خطرہ میں تھی مگر جب اُس کی قوم کے بہادر سپاہی میدان سے بھاگ رہے تھے، وہ دیوانہ وار کبھی لاشوں کو دیکھتی، کبھی زندہ بچوں کو دیکھتی- آخر تلاش کے بعد اپنا بچہ اُسے مل گیا، اُس نے اُسے چھاتی سے لگالیا- اُس وقت اُسے کوئی خبر نہ تھی کہ ہمارے بہادر اس لڑائی میں مارے گئے- اسے کچھ

احساس نہ تھا کہ اس کی قوم کے سردار اس لڑائی میں کام آئے- وہ اطمینان سے اپنے بچہ کو لے کر ایک گوشہ میں بیٹھ گئی- تب رسول کریم ﷺ نے جن کی نگاہ ہر لطافت کو دیکھنے والی تھی اس نظارہ کو دیکھ کر اپنے صحابہ سے فرمایا تم نے اس کی بے تابی کو دیکھا- پھر تم نے یہ بھی دیکھا کہ بچہ ملنے پر اسے کیسا اطمینان حاصل ہو گیا- آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو جب اس کا کھویا ہوا بندہ ملتا ہے تو وہ اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے[۱۱] - غرض دو ستونوں کے درمیان جب دوڑتے ہیں تو اُس وقت رسول کریم ﷺ کی یہ بات یاد آجاتی ہے کہ ماں کی محبت جو اپنے بچہ سے ہوتی ہے اس سے بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے محبت ہوتی ہے- تب انسان سمجھتا ہے کہ میرا رب بھی مجھے نظروں سے پوشیدہ نہیں کرے گا اور وہ بھی مشکلات کے موقع پر میری مدد فرمائے گا- مگر کتنے ہیں جنہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ انہیں ضائع نہیں کرے گا- کتنے ہیں جنہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ خدا اُن کے دُکھ کو دیکھ کر بیتاب ہو جائے گا- پھر کتنے ہیں جنہیں یقین ہوتا ہے کہ خدا جب انہیں تکلیف میں دیکھے گا تو ان کی نصرت فرمائے گا- جانے دو اُن کافروں کو جو اللہ تعالیٰ پر یقین نہیں رکھتے' جانے دو اُن منافقوں کو جن کے دل زنگ آلود ہو چکے مومنوں میں سے کتنے ہیں جنہیں یہ یقین ہوتا ہے یقیناً کم اور بہت کم- اگر اُنہیں خدا تعالیٰ کی محبت پر یقین اور اعتماد ہوتا' اُتنا ہی جتنا حضرت ہاجرہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد تھا تو یقیناً کوئی بندہ ضائع نہ ہوتا- جب حضرت ہاجرہ نے یہ کہا کہ خدا مجھے ضائع نہیں کرے گا تو دیکھو کس طرح وہ بچائی گئیں- خدا تعالیٰ نے ان کیلئے وہ کام کیا جو کئی نبیوں کیلئے بھی نہ کیا تھا- حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نبی ہوئے مگر بعد میں- اُس وقت نبی نہیں تھے- نبی بھی پیاسے ہوئے مگر ان کیلئے چشمے نہیں پھوڑے گئے- چشمہ حضرت اسمٰعیلؑ کیلئے اُس وقت پھوڑا جب ان کی کمزور ماں نے یقین اور ایمان کا پہاڑ خدا کے سامنے پیش کر دیا- ہر چیز کی اپنی نسبت کے لحاظ سے قیمت ہوا کرتی ہے- امیر آدمی اگر ایک کروڑ روپیہ بھی دے دے تو کوئی بڑی بات نہ ہوگی مگر غریب آدمی اگر ایک روپیہ بھی دے دے تو وہ بہت بڑی بات رکھے گا- حضرت ہاجرہ نے اپنی کمزوری کے مقابلہ میں جو اخلاص دکھایا وہ بہت ہی زیادہ تھا- اسی لئے خدا تعالیٰ نے اس رنگ میں انہیں نوازا- اور یہی چیز ہے جو انسان کے تمام اعمال میں نور پیدا کر دیتی ہے- خدا تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[۱۲] اس کے یہی معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی محبت اور عشق جس چیز میں داخل ہو جائے وہ چیز روشن ہو جاتی ہے-

اس میں یہ گُر بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی چیز کو روشن کرنا ہو تو خدا تعالیٰ کی محبت کو اس میں داخل کردو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ چیز روشن ہوجائے گی۔ اگر وہ نور مکان میں نازل ہوگا تو وہ مکان روشن ہوجائے گا۔ اگر دل پر نازل ہوگا تو دل روشن ہوجائے گا۔ یہی نور جب بیت اللہ پر نازل ہوا تو وہ روشن ہوگیا۔ ورنہ بیت اللہ کیا ہے اینٹوں اور پتھروں کا ایک گھر ہی ہے۔ پھر یہی نور مسجد نبوی ؐ پر نازل ہوا تو اُسے منور کردیا' ورنہ ایک گارے کی عمارت سے زیادہ اس کی کیا حیثیت تھی۔ پھر یہی نور جب رسول کریم ﷺ کے دل پر نازل ہوا تو آپ ؐ سورج بن گئے۔ یہی معنے ہیں اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے' کہ زمین و آسمان میں جس چیز کو بھی روشن کرنا ہو اس میں اللہ تعالیٰ کا نور داخل کردو وہ منور ہوجائے گی۔ مکہ کی عمارت کیا ہے۔ ایک ادنیٰ قسم کے پتھروں کی بنی ہوئی ہے۔ اس کے مقابلہ میں تاج محل کی کتنی شاندار عمارت ہے۔ مگر کتنوں نے تاج محل سے نور حاصل کیا اور کتنوں کو مکہ سے ہدایت ملی۔ اسی طرح قرآن کیا ہے۔ وہی حروف ہیں جن کو ہم روزانہ بولتے ہیں۔ وہی کاغذ ہیں جن پر گندے سے گندے مضامین بھی لکھے جاتے ہیں۔ وہی سیاہی ہے جس سے فحش اشعار بھی لکھے جاتے ہیں۔ پھر انہی پتھروں کے ذریعہ قرآن چھاپا جاتا ہے جن پر غلیظ سے غلیظ گالیاں بھی چھاپی جاتی ہیں۔ مگر اسی سیاہی سے لکھا ہوا اور اسی کاغذ پر چھپا ہوا جب قرآن آتا ہے تو وہ دنیا کی ہدایت کا موجب بن جاتا ہے۔ یہ کیا چیز ہے۔ وہی ہے جسے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ خدا اس میں آگیا اس لئے یہ دنیا کی ہدایت کا ذریعہ بن گیا۔ پس جہاں خدا تعالیٰ ہے وہ نورانی ہے۔ اور جہاں وہ نہیں وہاں ظلمت اور سیاہی کے سوا اور کچھ نہیں۔ خدا تعالیٰ کی محبت ایسی چیز ہے جو انسان کو منور کردیتی ہے۔ جس دل میں یہ نہیں وہ ظلمتوں سے پُر ہے۔ یہ چیز ہے جو اپنے دل میں پیدا کرو۔ دنیا کے علوم کوئی فائدہ نہیں پہنچاسکتے۔ بڑے بڑے ڈاکٹر' بڑے بڑے ماہر دنیا میں ایسے ہوتے ہیں جو مصیبت کے وقت خودکشی کرلیتے ہیں۔ کروڑوں روپیہ گھر میں پڑا ہوتا ہے مگر دیوالیہ کے خطرہ سے اپنے آپ کو گولی مار کر مرجاتے ہیں۔ ادھر رسول کریم ﷺ کے ساتھیوں کا طریق عمل یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے اموال کو قربان کیا' جانوں کو فدا کیا' پھر بھی مایوس نہ ہوئے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کرے گا۔ جن دشمنوں نے رسول کریم ﷺ کا تعاقب کیا اگر ایسے ہی دشمن آج یورپ کے بڑے سے بڑے بادشاہ کا بھی تعاقب کریں اور موقع پر پہنچ جائیں تو میں سمجھتا ہوں سوائے اس

کے اس کیلئے کوئی چارہ نہیں رہے گا کہ وہ ریوالور اپنے سر میں مار کر ہلاک ہو جائے۔

رسول کریم ﷺ کے دشمن اتنے شدید تھے کہ انہوں نے آپ کی دشمنی کی وجہ سے عورتوں کی شرم گاہوں میں نیزے مارے' جلتے ہوئے پتھروں پر مَردوں کو لٹایا اور قسم قسم کے دکھ پہنچائے۔ ایسے شدید معاند غارِ ثور کے منہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ آپ کیلئے اُس وقت بظاہر کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں یا رسول اللہ! دشمن اتنا قریب آچکا ہے کہ اگر وہ ذرا جھکے تو ہمیں دیکھ سکتا ہے۔ مگر رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا[۳] کوئی فکر کی بات نہیں' اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ یہ کیا چیز تھی۔ محمد ﷺ اپنے تجربہ کے لحاظ سے' اپنے ظاہری علوم کے لحاظ سے اس قسم کی تدابیر تو نہیں جانتے تھے جو یورپ کے جرنیل جانتے ہیں۔ نہ آپ کے پاس حفاظت کا کوئی سامان تھا۔ آج کل تو یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ جیب میں بم ہے۔ دشمن کو مار دیں گے۔ مگر وہ کیا چیز تھی جس نے رسول کریم ﷺ کے منہ سے کہلوایا۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا - یہ وہی نور ہے جو اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے ماتحت آپ کے دل میں تھا۔

پس اللہ تعالیٰ کی محبت ایک ایسی چیز ہے جس کے بغیر کوئی حقیقی سُکھ نہیں مل سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی محبت کا حصول ایک صراط پر سے گزر کر ہوتا ہے۔ یہ راستہ بظاہر آسان ہے مگر بباطن مشکل۔ مگر بعض دفعہ بظاہر مشکل اور بباطن آسان ہوتا ہے۔ میرا دوسرا فقرہ پہلے کے خلاف نہیں بلکہ دونوں فقرے دو مختلف کیفیات کو ظاہر کرتے ہیں۔ جب ظاہر میں مشکل ہوتا ہے تو باطن میں آسان ہوتا ہے اور جب ظاہر میں آسان ہوتا ہے تو باطن میں مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ جہاں ہمارا ایک رحم کرنے والے خدا سے واسطہ ہے وہاں غیور خدا سے بھی واسطہ ہے وہ جہاں رحم کرتا ہے وہاں غیرت سے بھی کام لیتا ہے۔ اِس وقت میں یہ اشارہ ہی کرتا ہوں۔ آج میں اِس مضمون کو بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وقت بہت ہو چکا ہے دراصل مضمون میرا وہی تھا۔ اگر خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو اس حصہ مضمون کو پھر کبھی بیان کروں گا۔

(الفضل ۲۲ - جون ۱۹۳۳ء)

---

[۱] بخاری کتاب التوحید باب قول اللّٰہ تعالٰی وجوہ یومئذٍ ناضرة الٰی ربھا ناظرة الخ' کتاب الرقاق باب الصراط جسرِ جھنم

[۲] بخاری کتاب القدر باب العمل بالخواتیم

۳ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

۴ المومنون:۱۵

۵ السیرة الحلبیہ جلد۳ صفحہ ۱۰۴ مطبع محمد علی صبیح میدان الازہر مصر ۱۹۳۵ء

۶ بخاری کتاب الرقاق باب یَدْخُلُ الجنة سبعون ألفًا بغیر حساب

۷ بخاری کتاب المظالم باب قول اللّٰہ تعالٰی الا لعنة اللّٰہ علی الظالمین

۸ الانبیآء:۷۰

۹ تذکرہ صفحہ ۳۹۷۔ ایڈیشن چہارم

۱۰ بخاری کتاب الانبیاء باب یزفون النسلان فی المشی

۱۱ بخاری کتاب الادب باب رحمة الولد و تقبیلہ و معانقتہٖ (مفہوماً)

۱۲ النور:۳۶

۱۳ شرح مواہب اللدنیة الجزء الثانی صفحہ ۱۲۲-۱۲۳ دارالکتب العلمیة بیروت لبنان ۱۹۹۶ء